30

یہ زمانہ ایسا ہے جس میں مالی قربانیاں بہت بڑی اہمیت رکھتی ہیں

(فرمودہ 24 ستمبر 1948ء بمقام رتن باغ لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"چند ماہ ہوئے مَیں نے جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ یہ ایسا زمانہ نہیں جس میں مالی قربانی کی کوئی ضرورت نہ ہو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مَیں نے پچھلے دنوں جماعت میں تحریک کی تھی اور اس امر پر زور دیا تھا کہ جماعت جانی قربانی میں زیادہ سے زیادہ اور نمایاں حصہ لے۔ جانی قربانی ہی ہے جس سے گزشتہ خدائی سلسلے مضبوط ہوتے آئے ہیں اور جانی قربانی ہی ہے جس کی وجہ سے ان کی جڑیں پاتال تک پہنچ گئی تھیں۔ مگر ساتھ ہی مَیں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ ایسا زمانہ ہے جس میں دشمن کا مقابلہ صرف جانی قربانی سے ہی نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک ہمارے پاس مال نہ ہو اور جب تک ہم انہی ہتھیاروں سے کام نہ لیں جن سے دشمن کام لے رہا ہے اُس وقت تک ہم اس کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تبلیغ کو ہی لے لو۔ فرض کرو ایک جگہ پر کوئی فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے وہاں کی

جماعت کو مرکز سے امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم نے وہاں ایک مبلغ بھجوانا ہے یا دو چار مبلغ بھجوانے ہیں۔ ہم ان مبلغوں سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ وہ سلسلہ پر بار نہ بنیں بلکہ فتنہ کی جگہ پر مفت پہنچیں لیکن مبلغ کا ایمان اور اخلاص روپیہ پیدا نہیں کر سکتا۔ ایک مبلغ یہی کر سکتا ہے کہ وہ کہے بہت اچھا مَیں ہوائی جہاز میں نہیں جاتا ریل میں چلا جاتا ہوں۔ یا کہے مَیں سیکنڈ کلاس میں نہیں جاتا انٹر میں چلا جاتا ہوں یا تھرڈ میں چلا جاتا ہوں۔ یا کہے مَیں ریل میں نہیں جاتا لاری میں چلا جاتا ہوں۔ یا کہے مَیں لاری میں نہیں جاتا تانگے میں چلا جاتا ہوں۔ یا کہے مَیں تانگے میں نہیں جاتا گھوڑے یا گدھے پر چلا جاتا ہوں۔ یا کہے مَیں گھوڑے یا گدھے پر نہیں جاتا پیدل ہی چلا جاتا ہوں۔ مبلغ تو صرف یہی قربانی کر سکتا ہے مگر وہ روپیہ پیدا نہیں کر سکتا۔

فرض کرو ہم یہاں بیٹھے ہیں اور بمبئی میں کوئی فتنہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہاں کی جماعت ہمیں ایک تار بھیج دیتی ہے کہ یہاں دشمن علماء کی یلغار ہوگئی ہے آپ ہماری مدد کریں اور مرکز سے مبلغ روانہ کریں۔ ہمارے پاس وہاں بھیجنے کے لیے مبلغ موجود ہیں، ہمارے پاس ایسے لوگ موجود ہیں جو دین کی خدمت کے لیے اپنی زندگیاں پیش کر دیں لیکن بمبئی یہاں سے ہزاروں میل دور ہے اور راستہ کے لیے کرایہ اور دیگر اخراجات کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اپنے مبلغوں کے لیے کسی سواری کا بندوبست نہ کر سکیں اور وہ وہاں پیدل جائیں تو لازماً وہ وہاں پانچ چھ مہینے میں پہنچیں گے۔ وہ لوگ قربانی تو کریں گے، اپنی جان پیش تو کر دیں گے مگر کیا وہ مقصد جو اُن کے سامنے ہوگا پورا ہو جائے گا؟ کیا وہ بمبئی کے احمدیوں کی امداد کے قابل ہو سکیں گے؟ یہ تو یقینی بات ہے کہ اگر وہ پیدل جائیں تو وہ بمبئی میں اتنے عرصہ کے بعد پہنچیں گے کہ وہاں کے لوگوں کو اس فتنہ کی یاد بھی بھول چکی ہوگی۔ وہ یہ جانتے بھی نہیں ہوں گے کہ یہ احمق یہاں کیوں آئے ہیں۔ یہاں ان کا کیا کام ہے۔ مولوی وہاں آئے اور چلے گئے۔ اگر جماعت کو خدا تعالیٰ نے فتح دی ہوگی تو کچھ نئے لوگ جماعت میں شامل ہو چکے ہوں گے اور اگر فتح نہیں دی تو کچھ لوگ مرتد ہو چکے ہوں گے۔ اُس وقت ہمارے مبلغ وہاں پہنچیں گے اور کہیں گے ہم غیر احمدی علماء سے بحث کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔ کیا ان کا وہاں ایسے وقت میں جانا جبکہ فتنہ کی یاد بھی بھول چکی ہوگی جماعت کے لیے کسی فائدہ کا موجب ہو سکتا ہے؟ غرض ہماری جماعت کے لیے صرف جانی قربانی ہی کافی نہیں بلکہ ہمارے لیے روپیہ کی بھی ضرورت ہے۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ پہلے زمانے میں ایسا کیوں نہیں تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں دشمن بھی کسی جگہ اتنی جلدی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ جتنی دیر ہمیں کسی جگہ پر پہنچنے میں لگ جاتی تھی اتنی دیر دشمن کو بھی لگ جاتی تھی۔ اِس زمانہ میں تو دشمن ہوائی جہاز، ریل یا لاری وغیرہ سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور ان چیزوں کی مدد سے جس جگہ چاہے جلد پہنچ سکتا ہے۔ اگر ہمارا مبلغ پیدل جائے تو دشمن وہاں بہت عرصہ پہلے پہنچ چکا ہوگا۔ پچھلے زمانہ میں اگر دشمن گھوڑے یا گدھے پر سوار ہو کر کسی جگہ پر پہنچتا تھا تو اس کے مقابلہ کے لیے دوسرے لوگ بھی گھوڑے یا گدھے پر سوار ہو کر اُس جگہ پہنچ جاتے تھے۔ پس پہلا زمانہ ایسا تھا کہ اس میں تبلیغ کرنے کے لیے زیادہ روپیہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ اُس زمانہ کے حالات ایسے تھے کہ سفر بغیر روپیہ کے ہو سکتا تھا۔ مگر اِس زمانہ میں سفر بغیر روپیہ کے نہیں ہو سکتا۔ فرض کرو ہمارے کسی مبلغ نے افریقہ یا امریکہ جانا ہے تو اس کے لیے جہاز کے کرائے اور دوسرے اخراجات کی ضرورت ہوگی۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ کیا پہلے زمانہ میں ایسا نہیں ہوتا تھا؟ ہم کہتے ہیں پہلے تو امریکہ معلوم بھی نہیں تھا۔ جتنی دنیا اُس وقت معلوم تھی وہ بغیر سمندر کے تھی اور سفر کے لیے جہاز یا کشتی کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ خشکی کا سفر پیدل یا گھوڑوں اور گدھوں وغیرہ پر ہوتا تھا۔ لیکن اِس زمانہ میں سفر کرنے والا بعض اوقات سمندر میں سفر کرنے پر مجبور ہوتا ہے جس کے لیے اسے کرایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُس زمانہ میں آبادی اور دنیا کا تمدن ایسا تھا کہ معلوم دنیا کے ہر گوشہ میں بغیر جہاز یا کشتی پہنچا جا سکتا تھا اور اس کے لیے روپیہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ مگر اب پہلے زمانہ کے تمدن اور اِس زمانہ کے تمدن میں بہت فرق پیدا ہو چکا ہے۔ پھر اُس زمانہ میں مہمان نوازی انسانیت اور شرافت کا جزو سمجھی جاتی تھی۔ اُس زمانہ میں اگر کوئی شخص کسی گاؤں میں چلا جاتا تھا تو خواہ وہ کسی کا واقف ہو یا نہ ہو سارے گاؤں کے لوگ اُس پر ٹوٹ پڑتے تھے اور اُسے کہتے تھے کہ تم ہمارے ہاں مہمان ٹھہرو۔ جگہ جگہ سرائیں بنی ہوئی ہوتی تھیں جن میں مسافروں کی رہائش کا مفت انتظام ہوتا تھا۔ کسی قسم کا خرچ نہیں آتا تھا۔ اگر کوئی ایسا قصبہ ہوتا جس کے رہنے والوں میں مہمان نوازی کا جذبہ نسبتاً کم ہوتا تو پھر بھی مسافر کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ قصبہ میں ایسی سرائیں بنی ہوئی ہوتی تھیں جہاں چند آدمی بٹھائے ہوئے ہوتے تھے جو مسافر کی خدمت دو چار آنہ کے بدلے میں کر دیتے تھے۔ باقی سرائے کا کوئی خرچ نہیں ہوتا تھا۔ اب بھی ہندوستان میں سڑک کے کناروں پر جگہ جگہ سرائیں بنی ہوئی نظر آتی ہیں۔ گو اَب ویران ہیں۔ ان میں

سے بعض سرائیں امراء نے بنائی تھیں اور کچھ سرائیں خود حکومت نے بنائی تھیں۔ لیکن اب تو ایسا رواج ہو گیا ہے کہ جو کوئی دوسرے شہر میں جاتا ہے وہ ہوٹل میں ٹھہرتا ہے اور اِس زمانہ میں معمولی سے معمولی اور ذلیل سے ذلیل ہوٹل بھی ایک روپیہ فی کس کرایہ کا ان سے لیتا ہے اور کھانے وغیرہ کے اخراجات اِس کے علاوہ ہوتے ہیں۔ پھر خوراکیں بھی بدل گئی ہیں۔ پہلے زمانہ میں امیر سے امیر اور غریب سے غریب آدمی کی خوراک میں بہت کم فرق ہوتا تھا لیکن اب بہت زیادہ فرق ہے۔ اُس زمانہ میں ایک امیر سے امیر آدمی اور ایک غریب سے غریب آدمی بڑی آسانی کے ساتھ اکٹھا بیٹھ کر کھا سکتے تھے کیونکہ اُن کی خوراکوں میں زیادہ فرق نہیں ہوتا تھا۔ مگر اب تو ایک امیر آدمی معمولی آدمی کے ساتھ تو کیا ایک درمیانے درجے کے آدمی کے ساتھ بھی اکٹھا بیٹھ کر کھانا کھانے سے گریز کرتا ہے کیونکہ اس کی خوراک اس کے موافق نہیں۔ غرض تمدن کے فرق کی وجہ سے، ذرائع نقل وحرکت کے فرق کی وجہ سے اور اس فرق کی وجہ سے کہ اُس زمانہ میں آبادیاں اس طور پر تھیں کہ اُن میں بغیر سواری کے سفر کیا جا سکتا تھا، تبلیغ بغیر پیسہ لیے ہو جاتی تھی مگر اب تبلیغ بغیر پیسہ کے نہیں ہو سکتی۔ قربانی کرنے والے تو آ گے آ جائیں گے، جانیں پیش کرنے والے بھی مل جائیں گے لیکن یہ چیز اُس وقت تک مفید نہیں ہو سکتی جب تک جانی قربانی کے ساتھ مالی قربانی بھی پیش نہ کی جائے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فتح نوجوانوں سے ہی ہوتی ہے مگر جب تک پیسہ نہ ہو اُن کی قربانیوں سے پورا فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا۔

الفضل میں دوستوں نے پڑھا ہوگا کہ مجھے ایک غیر احمدی فوجی افسر نے ایک چِٹھی لکھی تھی جس میں اُس نے لکھا تھا کہ آپ جن ممالک میں تبلیغ کر رہے ہیں وہ بے فائدہ ہے۔ آپ مبلغ تو باہر بھیج دیتے ہیں مگر انہیں کافی سامان نہیں دیتے جس کی وجہ سے اُن کی صحتیں برباد ہو جاتی ہیں اور وہ صحیح طور پر کام نہیں کر سکتے۔ مَیں نے اِس چیز کا خود تجربہ کیا ہے۔ مَیں دو تین سال ملایا میں رہا ہوں اور آپ کے مبلغین کی حالت کو دیکھا ہے۔ مَیں باوجود سلسلہ احمدیہ کی عظمت کو تسلیم کرنے کے اور اُس کی تبلیغی مساعی سے متأثر ہونے کے یہ عرض کروں گا کہ آپ مبلغین کو اتنا کھانا ضرور دیں جس سے وہ اپنی صحتوں کو قائم رکھ سکیں۔ یہ چِٹھی ایک ایسے شخص نے لکھی ہے جس کا احمدیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ گویا ایک غیر احمدی بھی اِس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ہم مبلغین کو اتنا خرچ نہیں دے رہے جو اُن کی صحتوں کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ غرض تبلیغ کے لیے روپیہ کی بھی ضرورت ہے۔

پھر تعلیم کا کام ہے وہ بھی بغیر روپیہ کے نہیں ہوسکتا۔ پہلے زمانہ میں روپیہ کی بہت کم قیمت تھی۔ اُس زمانہ میں ایک پڑھا لکھا آدمی ایک جگہ پر بیٹھ جاتا تھا اور وہ دوسروں کو پڑھا دیا کرتا تھا۔ وہ یہ کام مفت ہی کر دیا کرتا تھا۔ ہاں تعلیم حاصل کرنے والے اُس کی تھوڑی بہت خدمت کر دیتے تھے۔ لیکن اُس زمانہ میں اور اِس زمانہ میں بہت فرق ہے۔ اُس زمانے میں اگر ایسے آدمی کی بیوی کسی مجلس میں چلی جاتی تھی اور اُس کے پاس کپڑے اچھے نہیں ہوتے تھے تو اُسے اُس کا احساس نہیں ہوتا تھا کیونکہ اُس کے اور دوسری عورتوں کے کپڑوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امیر آدمی روپیہ سے اچھے لباس خرید سکتا ہے لیکن اُس وقت کپڑے ہوتے ہی نہیں تھے۔ اُس زمانہ میں جو بھی کپڑے ہوتے تھے نہایت معمولی ہوتے تھے۔ بہرحال جب وہ عورت اپنے ہمسایوں سے ملتی تھی تو اُس میں احساسِ ذلت پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنے خاوند کے گلو گیر نہیں ہوتی تھی کہ اُس نے اپنے علم کو ضائع کر دیا۔ مگر اب اتنا فرق پیدا ہو چکا ہے کہ اگر کوئی اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لیے وقف کرے تو اُس کے بیوی بچے اُس کے گلے کا ہار بن جاتے ہیں کہ اُس نے انہیں ذلیل کروا دیا ہے۔ وہ دوسروں میں ادنیٰ سمجھے جاتے ہیں۔ خدا نے اسے علم دیا ہے اگر وہ آمدن پیدا کرتا تو وہ بھی دوسروں کے شانہ بشانہ بیٹھ سکتا تھا اور ہمیں بھی بٹھا سکتا تھا۔ یہی حال باقی کاموں کا ہے۔

مَیں نے جماعت کے دوستوں سے خصوصیت سے کہا تھا کہ ہم قادیان میں سلسلہ کی ساری جائیدادیں چھوڑ آئے ہیں۔ اس لیے اِن دنوں سلسلہ کو زیادہ امداد کی ضرورت ہے۔ پھر ہم صرف سامان اور جائیدادیں ہی نہیں چھوڑ آئے بلکہ جماعت کے لاکھوں آدمی ایسے ہیں جو گزشتہ فسادات کی وجہ سے سلسلہ کی اتنی مدد نہیں کر سکتے جتنی وہ پہلے کر سکتے تھے۔ پس یہ زمانہ ایسا ہے جس میں ہمیں زیادہ قربانیاں کرنی ہوں گی۔ اس لیے مَیں نے جماعت میں تحریک کی تھی کہ آئندہ چندہ کا معیار ساڑھے سولہ فیصدی سے تینتیس فیصدی تک کا ہو۔ اور جو شخص ایسا کرنے کی مقدرت نہیں رکھتا اُس کے لیے چندہ کا کم سے کم معیار یہ ہو کہ وہ وصیت کر دے۔ یا اگر وہ خیال کرتا ہے کہ وہ زیادہ دیر تک یہ قربانی نہیں کر سکتا کیونکہ وصیت کرنے کی صورت میں تو اُسے ساری عمر یہ چندہ دینا پڑے گا تو اُسے چاہیے کہ وہ وصیت کے معیار کے مطابق اتنے عرصے تک زیادہ چندہ ادا کرے۔

مقبرہ بہشتی کے ہمارے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے یہ وقت ہمارے اخلاص کے امتحان کا

ہے۔ ہر احمدی کو چاہیے کہ وہ وصیت کر کے یہ ثابت کر دے کہ وہ ان پیشگوئیوں پر پورا یقین رکھتا ہے جو احمدیت کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے ظاہر کیں۔ میرے خطبہ پر جماعت میں ایک حرکت پیدا ہوئی تھی اور جماعت کے سینکڑوں افراد نے چندے بڑھا دیئے تھے لیکن اب مَیں دیکھتا ہوں کہ یہ حرکت کمزور ہوتی جاتی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ تعداد بڑھتی چلی جاتی یہاں تک کہ جماعت کا ہر فرد ساڑھے سولہ سے تینتیس فیصدی تک کے معیار پر آ جاتا یا وہ کم از کم دس فیصدی چندہ دیتا، چاہیے تو یہ تھا کہ جماعت کے ہزاروں ہزار افراد وصیتیں کر کے اپنے اخلاص اور ایمان کا ثبوت بہم پہنچاتے مگر دفتر وصیت کی طرف سے مجھے آج اطلاع ملی ہے کہ اِس عرصہ میں صرف ایک سَو وصیت ہوئی ہے اور یہ ایک افسوسناک امر ہے کہ لاکھوں کی جماعت میں سے صرف ایک سَو افراد نے میری اس تحریک کی طرف توجہ دی ہے (اس کے بعد مجھے رُقعہ ملا کہ ایک سَو نہیں چار سو سے اوپر نئی وصیت ہوئی ہے مگر یہ بھی کافی نہیں)۔ اس تحریک سے پہلے پانچ چھ ہزار کے قریب موصی تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ میری تحریک کے بعد وصیت کی پہلی تعداد پر 1/50 حصہ کی زیادتی ہوئی اور یہ کوئی خوش کن بات نہیں ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کی ذمہ داری کا بہت بڑا حصّہ کارکنوں پر ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ہمارے کارکن اُس بیداری سے کام نہیں لے رہے جس بیداری سے انہیں کام لینا چاہیے تھا۔ صدر انجمن احمدیہ یہ سمجھتی ہے کہ لوکل انجمنیں قائم ہیں اور وہ یہ کام کر رہی ہیں۔ لوکل انجمنیں یہ سمجھتی ہیں کہ یہ کام صدر انجمن احمدیہ خود کرے گی۔ یا پھر صدر انجمن احمدیہ یہ قیاس کر لیتی ہے کہ لوکل انجمنیں یہ کام کر لیتی ہیں۔ حالانکہ جماعت کے ہر فرد کو اِس ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے۔ جماعت کے ہر چھوٹے بڑے اور ہر امیر و غریب کو اِس کا احساس ہونا چاہیے۔ جب تک جماعت کے عورتوں، مردوں، بچوں، نوجوانوں اور بوڑھوں میں اس ذمہ داری کا احساس پیدا نہیں ہو جاتا اُس وقت تک ہماری جماعت اعلیٰ درجہ کی بیدار جماعت نہیں کہلا سکتی۔ جُوں کی چال چلنا بیداری نہیں کہلا سکتا۔ ہر قوم کچھ نہ کچھ ترقی کی طرف بڑھتی ہے۔ بہت ہی بدبخت کوئی قوم ہوگی جو ترقی کی منزل طے نہیں کر رہی۔ آج سے چالیس سال پہلے چوڑھوں کی جو حالت تھی ہم میں سے ہر ایک یہ محسوس کرے گا کہ اب انہوں نے بہت زیادہ ترقی کر لی ہے اور وہ اپنی پہلی حالت سے بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ میرے ہوش کی یہ بات ہے کہ ایک خاکروبہ چھ آنے ماہوار لیتی تھی لیکن ہمارے دیکھتے دیکھتے چھ آنے سے ایک روپیہ ماہوار فی گھر ہو گیا۔ ہاں اگر کوئی غریب آدمی ہو اور اُس

کے گھر میں خاکروبہ نے چار پانچ منٹ ہی لگانے ہوں تو وہ چار آنے یا آٹھ آنے بھی لے لیتی ہے۔ ورنہ آجکل وہ ایک روپیہ ماہوار سے کم نہیں لیتی ۔ بڑے بڑے گھروں سے تو وہ دس دس روپیہ ماہوار لے لیتی ہے اور وہ پوری ملازم بھی نہیں ہوتی۔ دن میں آٹھ دس گھروں کا کام کرتی ہے۔ اگر پوری ملازم ہو تو تیس تیس چالیس چالیس روپیہ لیتی ہے۔ گویا چوڑھے بھی ترقی کرتے جا رہے ہیں اور چالیس سال کے اندر اندر انہوں نے اس قدر ترقی کر لی۔ اِسی طرح دوسری قوموں کو بھی دیکھ لو۔ وہ بھی کچھ نہ کچھ ترقی کر رہی ہیں۔ دھوبی کو لے لو۔ دھوبی کے کام میں فن کی مہارت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کسی زمانہ میں ایک دھوبی ایک روپیہ فی سینکڑہ کے حساب سے بڑی آسانی سے کپڑے دھو دیتا تھا لیکن اب تو آٹھ دس روپیہ فی سینکڑہ بھی بڑی مشکل سے لیتا ہے۔ غرض دنیا میں کوئی قوم بھی ایسی نہیں جس نے ترقی نہ کی ہو۔ ہر قوم اور ہر چیز میں ترقی ہوئی ہے۔ جو قومیں طبعی رفتار سے ترقی کرتی ہیں یہ اُن کا کمال نہیں گِنا جا سکتا۔ کسی قوم کا کمال یہ ہوتا ہے کہ اُس کی ترقی اُسے گرد و پیش کے حالات سے ممتاز کر دے۔ ویسے تو ہر قوم نے ترقی کی ہے اور ہر قوم بڑھی ہے لیکن ہم اگر کسی شخص کی تعریف کرتے ہیں تو اُس شخص کی تعریف کرتے ہیں جو ہزاروں سے زیادہ تیزی سے بڑھ رہا ہو۔ سکول میں جو طالب علم جاتا ہے وہ کوئی نہ کوئی لفظ ضرور سیکھ لیتا ہے مگر ہم ہر طالب علم کی تعریف نہیں کرتے۔ تعریف ہم اُسی طالب علم کی کرتے ہیں جو ہزاروں لڑکوں سے آگے بڑھ گیا ہو۔ غرض ہر قوم ہی کچھ نہ کچھ ترقی کرتی ہے اس لیے ہم موجودہ ترقی پر خوش نہیں ہو سکتے۔ ہمیں اِس ترقی پر تسلی پا جانے کا کوئی حق نہیں۔ ہمارا یہ بڑھنا اور ترقی کرنا ہماری تسلی کا موجب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دنیا کی ہر چیز جس میں زندگی کی رمق پائی جاتی ہے وہ بڑھ رہی ہے۔ ہماری یہ ترقی ہمارے لیے اطمینان اور ترقی کا موجب اُس وقت ہو سکتی ہے جب ہم میں دو چیزیں پائی جاتی ہوں۔

اوّل گرد و پیش کی قوموں کی نسبت سے ہم سرعت سے بڑھ رہے ہوں۔

دوم ہماری جماعت کے کھڑا کرنے والے کا جو منشا تھا ہم اس منشا کے مطابق بڑھ رہے ہوں۔ اگر ہم میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں تو پھر ہم قابلِ تعریف بھی ہیں اور ہماری ترقی ہمارے لیے اطمینان اور تسلی کا موجب بھی ہو سکتی ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے منشا کو پورا کر دیتے ہیں جس کی خاطر ہماری جماعت بنائی گئی ہے، اگر ہم اتنی ترقی کر لیتے ہیں جو اُس کے منشا کے مطابق ہے اور اگر ہم اتنی ترقی کر لیتے ہیں

کہ وہ ہمیں ہمارے گردوپیش سے ممتاز کر دیتی ہے تو اس صورت میں ہماری یہ ترقی ہماری خوشی کا موجب ہوسکتی ہے۔ اور اگر ہماری ترقی ہمیں گردوپیش سے ممتاز نہیں کرتی تو یہ ہماری خوشی کا موجب نہیں ہوسکتی بلکہ یہ تو ذلت کا موجب ہے۔ تب تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ خدا تعالیٰ کے مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے والے نے تو چالیس نمبر لیے اور انسانی مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے والے نے اسّی نمبر حاصل کیے۔ یہ نتیجہ تو خدا تعالیٰ کو نَعُوْذُ بِاللّٰہ ذلیل کرنے والا نتیجہ ہے کیونکہ اِس صورت میں خدا تعالیٰ کے شاگرد انسان کے شاگردوں سے کم نمبر لینے والے ہوئے۔ جب تک ہم انسانی مدرسوں کے طالبعلموں سے اچھے نمبر حاصل نہ کریں اُس وقت تک ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا نتیجہ کوئی اچھا نتیجہ ہے۔ دوسرے ہمارے لیے یہ خوشی کا مقام اُس وقت ہوسکتا ہے جب ہم اتنی ترقی کر لیں جتنی ترقی ہمارے کھڑا کرنے والے کے منشا کے مطابق ہو۔

اِن دنوں میں چندہ کی مقدار اتنی کم ہو چکی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وجہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے جو بظاہر معلوم نہیں ہوتا۔ ستمبر کے مہینہ میں صرف قائداعظم کی وفات کی وجہ سے تین دن کی چھٹیاں ہوئی ہیں لیکن چندہ میں اتنا بڑا نقص واقع ہوگیا ہے کہ اگر اِسی رفتار سے چندہ آتا رہا تو بارہ مہینے کی آمد سے صرف دو مہینہ کا خرچ بمشکل چل سکتا ہے۔ اگست کے مہینے تک چندوں میں زیادتی ہوتی جارہی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ جماعت اس تحریک میں حصہ لینے کے لیے کوشش کر رہی ہے اور اپنی ترقی کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ لیکن اِس غیر معلوم حادثہ نے جماعت کو ترقی سے تنزل کی طرف منتقل کر دیا۔ مَیں سمجھتا تھا کہ یہ کسی اتفاقی وجہ سے ہے اور جلدی ہی اِس کی اصلاح ہو جائے گی لیکن آج ستمبر کی چوبیس تاریخ آ چکی ہے اور ابھی تک چندوں میں کمی ہوتی جارہی ہے۔ مثلاً بجٹ کے لحاظ سے ہماری روزانہ اوسط آمدن ساڑھے تین ہزار ہونی چاہیے۔ اگر میری تحریک کا جو مَیں نے چندوں میں زیادتی کے لیے کی تھی لحاظ رکھا جائے تو روزانہ اوسط آمدن چھ سات ہزار ہونی چاہیے تھی لیکن کل جو آمدن ہوئی وہ صرف چھ سو روپیہ تھی۔ اس سے پہلے بعض دنوں میں اڑھائی سو تین سو اور چار سو آمد بھی ہوتی رہی ہے۔ بعض دن ایسے بھی ہیں جن میں ہزار ڈیڑھ ہزار، دو ہزار تک بھی آمدن رہی ہے لیکن اگر روزانہ آمد کی اوسط نکالی جائے تو یہ چھ سات سو ہی رہ جاتی ہے۔ گویا بجٹ کے لحاظ سے پانچویں حصہ سے بھی کم

آمدن ہو رہی ہے۔☆ حالانکہ جماعت کے اخراجات اب بڑھ رہے ہیں اور آئندہ اَور بڑھیں گے۔ نئے مرکز کی بنیادیں رکھی جارہی ہیں، دفاتر وغیرہ کے لیے نئی عمارات بنائی جائیں گی، دفاتر کے سامان وہاں پہنچائے جائیں گے، ڈاک، تار اور ریل کے لیے کوشش کی جارہی ہے، پانی کا انتظام کرنا ہے، سڑکوں کا انتظام کرنا ہے، مہمان خانہ اور سکول بھی بنائے جانے ہیں۔ اگر خرچ قلیل سے قلیل حد تک بھی رکھا جائے تب بھی یہ لاکھوں سے کم نہیں ہوگا۔ کچی اور نیم پکی عمارات بھی بنائی جائیں تب بھی ان پر دس پندرہ لاکھ سے کم خرچ نہیں آئے گا۔ اس وقت ضرورت تھی کہ جماعت قربانی کا اعلیٰ نمونہ دکھاتی اور اگست کے مہینہ تک جماعت اعلیٰ قربانی کا نمونہ دکھا بھی رہی تھی مگر ستمبر کے مہینہ میں کوئی ایسی بات ہوگئی ہے جس کی وجہ سے چندہ کی روزانہ اوسط آمدن کم ہوگئی ہے۔ مَیں سمجھتا تھا کہ قائداعظم کی وفات کی وجہ سے چونکہ تین چھٹیاں ہوگئی تھیں اس لیے چندے رُک گئے ہیں اور تھوڑے عرصہ کے بعد یہ پھر شروع ہوجائیں گے۔ لیکن اس پر بھی دو ہفتے گزر گئے ہیں لیکن تا حال چندوں میں کمی جاری ہے۔

مَیں جماعت کے تمام افراد کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں اور اُن پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں اٹھائیں۔ اور چاہیے کہ ہمارے چندے کم از کم وصیت کے معیار تک پہنچ جائیں۔ اگر کم از کم وصیت کے معیار تک ہمارے چندے پہنچ جائیں تو یہ یقینی بات ہے کوئی شبہ کی بات نہیں کہ ہماری جماعت کا بجٹ تیس لاکھ تک پہنچ جائے گا۔ اگر ایسا ہوجائے تو ہم اپنے نئے مرکز کو بھی مضبوط بنا سکتے ہیں، سلسلہ کی جائیدادوں کو بھی مضبوط بنا سکتے ہیں اور آئندہ سلسلہ کی اشاعت کا بوجھ بھی اٹھانے کے قابل ہوسکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جماعت کے اندر ایسے امراء موجود ہیں جن کی جائیدادیں بڑی ہیں لیکن وہ اپنی ٹھیک آمدن بتانے میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ مَیں نے جماعت کو پہلے بھی توجہ دلائی تھی کہ ہماری جماعت میں ایسے تاجر موجود ہیں جن کی جائیدادیں بہت بڑی ہیں مگر وہ ایک رقم بطور گزارہ مقرر کرلیتے ہیں اور چندہ بھی اُسی رقم پر دیتے ہیں۔ مثلاً ایک تاجر کی آمدن دس ہزار ہوتی ہے مگر وہ دو ہزار کی رقم بطور گزارہ مقرر کرلیتا ہے۔ یا اُس کی آمدن دو ہزار کی ہوتی ہے مگر وہ اپنا گزارہ تین سو روپیہ مقرر کرلیتا ہے

☆ اس خطبہ کے بعد ترقی ہوئی ہے اور ساڑھے تین ہزار، پونے چھ ہزار، پونے سات ہزار اور پونے تین ہزار چار دن کی آمد تھی۔

اور اُسی پر چندہ دیتا ہے۔ بعض اوقات وہ اسی رقم میں سے تینتیس فیصدی چندہ دے کر دوسروں پر رعب بھی جما لیتا ہے لیکن درحقیقت تین سو روپیہ میں سے ننانوے روپے دینے کے معنے قریباً پونے پانچ فیصدی چندہ دینے کے ہوتے ہیں کیونکہ اس کی اصل آمد تو دو ہزار روپیہ تھی اور چندہ لکھواتے وقت اُس نے اپنی آمد تین سَو روپیہ بتائی۔ گویا چندہ تو وہ ایک آنہ فی روپیہ بھی نہیں دیتا لیکن ظاہر یہ کرتا ہے کہ وہ تینتیس فیصدی چندہ دیتا ہے۔ یہ طریقہ تو ایسا ہی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی ملّاں تھا احادیث میں اُس نے یہ مسئلہ پڑھا کہ اگر کسی کی کوئی ایسی چیز ضائع ہو جائے جو اپنی حفاظت خود نہ کر سکتی ہو تو جس شخص کو وہ چیز مل جائے وہ اُسے لے لے اور تین بار لوگوں میں اعلان کرے۔ اگر پھر بھی اُس چیز کا مالک نہ مل سکے تو وہ چیز اُسی کی ہو جاتی ہے۔ وہ ملّاں روزانہ سیر کے لیے نکل جاتا۔ جنگل میں بھیڑ بکریوں کے گلے چر رہے ہوتے تھے اور عموماً کچھ بھیڑ بکریاں گلّے سے پیچھے رہ جاتی ہیں۔ وہ ملّاں تاک میں رہتا اور پیچھے رہ جانے والی بکری کو پکڑ لیتا اور کہتا کہ " کسی کی بکری"۔ " کسی کی" کے الفاظ وہ زور سے کہتا اور " بکری" کے لفظ کو وہ آہستہ سے کہہ دیتا۔ بکریوں والے کو یہ خیال بھی نہیں آتا تھا کہ یہ اُس کی بکری کے متعلق اعلان ہو رہا ہے۔ تین دفعہ اعلان کرنے کے بعد وہ ملّاں بکری گھر لے آتا اور بِسْمِ اللّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر ذبح کر لیتا اور سمجھ لیتا کہ اس طرح تین بار اعلان کرنے سے حدیث پر عمل ہو گیا۔ اگر اُس ملّاں کا یہ فعل جائز ہے تو تمہارا بھی یہ فعل جائز ہے۔ لیکن اُس ملّاں کا یہ فعل اگر تمہیں غلط دکھائی دیتا ہے تو تمہارا بھی یہ فعل غلط ہے۔ مَیں تو کہتا ہوں کہ اگر ایسا آدمی تین سَو روپیہ میں تینتیس فیصدی چندہ دینے کی بجائے اصل آمدن میں سے چار فیصدی چندہ دیتا تو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ ایماندار تو ہوتا خدا تعالیٰ کی نگاہ میں وہ دھوکا باز تو نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ اس کے سامنے اپنے عیب کو ظاہر کر دیتا کہ وہ اتنی بڑی قربانی نہیں کر سکتا۔ مگر وہ اپنی آمد کو دو ہزار کی بجائے تین سو روپیہ لکھوا کر پھر اس میں سے تینتیس فیصدی چندہ دیتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کو دھوکا دیتا ہے، وہ جھوٹا ہے اور تکبر کرنے والا ہے۔ اُس نے بلا وجہ یہ دو گناہ اپنے اندر پیدا کر لیے۔ اگر وہ سچائی سے کام لیتا تو یقیناً وہ دوسروں سے ثواب میں تو کم ہوتا لیکن خدا تعالیٰ کے عذاب سے تو بچ جاتا۔ اگر وہ تینتیس فیصدی کی بجائے چار فیصدی چندہ دیتا لیکن آمدن ٹھیک بتاتا تو کم سے کم اسے چار فیصدی چندے کا ثواب مل جاتا۔ لیکن اِس طرح اُس نے تینتیس فیصدی کی بجائے چار فیصدی چندہ دیا۔ جھوٹ کی وجہ سے وہ چار فیصدی چندہ کے ثواب سے بھی محروم رہا

اور اُنتیس فیصدی کا گناہ بھی الگ رہا۔ اس نے اُنتیس فیصدی کا جھوٹ بولا جس نے اس کے چار فیصدی چندہ کے ثواب کو بھی ضائع کر دیا اور اُنتیس فیصدی کا گناہ بھی باقی رہا۔ مَیں تو کہتا ہوں اگر وہ بالکل ہی چندہ نہ دیتا تو وہ چار فیصدی چندہ نہ دینے کا ہی مجرم ہوتا اُنتیس فیصدی جھوٹ کا نہ ہوتا۔

قوموں کی بنیاد سچائی پر ہوتی ہے۔ سچائی کی وجہ سے وہ جیتتی اور دوسری قوموں پر غالب آتی ہیں۔ جن قوموں کا کیریکٹر اچھا نہیں ہوتا، جن قوموں کا چلن مشتبہ، متردّد اور مخدوش ہوتا ہے، وہ اپنی مدمقابل کی قوموں کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ لیکن جن قوموں کو چلن کے اچھا ہونے کے لحاظ سے دوسری قوموں پر برتری حاصل ہوتی ہے وہ ان کے مقابلہ میں غالب حیثیت میں کھڑی ہوتی ہیں۔ جانوروں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے کتا، بلّی وغیرہ جانوروں کو دیکھ لو۔ جب ان میں سے دو جانور آپس میں لڑ رہے ہوں اُن میں ایک جب دوسرے کے چلن کی برتری کو دیکھتا ہے تو اس کے سامنے اپنی دم جھکا لیتا ہے۔ جب وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ مدمقابل جانور کا مقابلہ کرنا آسان نہیں تو فوراً اپنی دم جھکا لیتا ہے۔ انسان کو تو خدا تعالیٰ نے جانوروں سے زیادہ مقدرت عطا فرمائی ہے۔ اگر وہ سچائی کے ساتھ کام لے، اگر اس کا چلن اچھا ہو تو اسے زائد توفیق بھی مل جاتی ہے۔ چلن کے بد ہونے کی وجہ سے اس کی ہمت اور جرأت ماری جاتی ہے۔

تحریک جدید کے متعلق بھی مَیں نے دیکھا ہے سال میں سے نو مہینے گزر چکے ہیں بلکہ ساڑھے نو مہینے گزر چکے ہیں لیکن ابھی تک دو تہائی چندہ بھی نہیں آیا۔ سال میں سے ساڑھے نو مہینے گزرنے کے بعد بھی تحریک کا چندہ سات ماہ کے چندہ سے کم رہا ہے۔ یہ بھی نہایت افسوسناک امر ہے بلکہ دورِ دوم جو کہ نوجوانوں کا دَور ہے جن کے متعلق ہم یقین رکھتے تھے کہ وہ دَورِ اول میں حصہ لینے والے بوڑھوں سے زیادہ تیز چلنے والے ہوں گے اُس کا یہ حال ہے کہ لاکھوں روپے کے وعدے وصولی کے قابل پڑے ہیں۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا کام بہر حال پورا ہوگا مگر یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ قوم کی آئندہ نسل اور پَود بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے جا رہی ہے اور یہ نہایت ہی خطرناک بات ہے۔ ہر قوم کی نسل کو آگے بڑھنا چاہیے۔ جس قوم کی نسل ایمان، ایثار اور قربانی میں پہلوں سے آگے نہیں بڑھتی وہ قوم جیتا نہیں کرتی۔ قوموں کی جنگ دو تین سو سال تک رہتی ہے اور جب تک کسی قوم کی پندرہ بیس نسلیں اپنے پہلوں سے آگے نہ بڑھتی جائیں اس جنگ کا کامیاب فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ فردِ واحد کی

جنگ پچیس تیس سال تک ہوتی ہے مگر قوموں کی جنگ لمبی ہوتی ہے اور اس کے لیے زیادہ قربانی اور ایثار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ظاہری طور پر جو ہم نے فتح حاصل کی ہے کہ جماعت ایک سے لاکھوں ہوگئی ہے، ظاہری طور پر جو ہم نے فتح حاصل کی ہے کہ ہمارا دس روپے سے لاکھوں روپیہ کا بجٹ ہو گیا ہے، ظاہری طور پر جو ہم نے فتح حاصل کی ہے کہ ہماری جماعت کے افراد ادنیٰ عہدوں سے بڑے عہدوں پر پہنچ گئے ہیں، ظاہری طور پر جو ہم نے فتح حاصل کی ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوان تعلیم میں پہلے سے زیادہ ترقی کر گئے ہیں، ظاہری طور پر جو ہم نے فتح حاصل کی ہے کہ ہمارے مشن اب ساری دنیا میں قائم ہوگئے ہیں یہ تو ایک نسبتی فتح ہے حقیقی فتح نہیں۔ درحقیقت نہ ہم نے افراد میں ترقی کی ہے، نہ اموال میں ترقی کی ہے اور نہ ہی تبلیغ میں ترقی کی ہے کیونکہ ہماری ترقی نسبتی ترقی ہے۔ اس لیے ہماری خوشی اور اطمینان کا موجب نہیں ہوسکتی۔ ہمارے لئے خوشی اور اطمینان کا موجب نہیں ہوسکتی ہماری آخری جنگ کے دن قریب ہیں اور اس میں ہم اُس وقت تک فتح کی امید نہیں کر سکتے جب تک ہمارے نوجوان ہم سے زیادہ ایثار کا نمونہ نہ دکھائیں بلکہ ہم تب بھی فتح کی اُمید نہیں کر سکتے جب تک ان سے اگلی نسل بھی زیادہ ایثار کا نمونہ نہ دکھائے۔ اگر کسی قوم کی کم از کم بارہ نسلیں حقیقی ایثار کا نمونہ نہیں دکھاتیں، حقیقی اخلاق کا نمونہ نہیں دکھاتیں تو اُس قوم کو حقیقی فتح حاصل نہیں ہوسکتی۔ ہماری جماعت کے تو ابھی بچپن کے دن ہیں بڑھاپے کے دن تو ابھی دور ہیں۔ ہمارے بعد نوجوانوں نے ہی اسلام کے جھنڈے کو بلند رکھنا ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اخلاص اور ایثار میں ہم سے زیادہ ہوں، علمِ دین میں ہم سے زیادہ ہوں، عبادت کی رغبت میں ہم سے زیادہ ہوں۔ جماعت کی آئندہ ترقی کی ذمہ داری ہم پر نہیں آپ نوجوانوں پر ہے۔ اِس جنگ میں فتح حاصل کرنا آپ کے ذمہ ہے۔ جب تک آپ ہم سے زیادہ قربانی اور ایثار کا نمونہ نہیں دکھاتے احمدیت کو فتح حاصل نہیں ہوسکتی۔ یا یوں کہو کہ احمدیت کو تو فتح حاصل ہوگی مگر آپ اس سے محروم رہ جائیں گے۔

پس آپ اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں، اپنے حوصلوں کو بلند رکھیں اور قربانی اور ایثار کا وہ معیار پیش کریں جسے دیکھ کر پہلے لوگ شرمندہ ہوں بجائے اس کے کہ وہ کہیں افسوس تم ہماری اچھی نسل نہیں ہو وہ یہ کہیں کہ کاش! ہم کو بھی ایسی قربانی کی توفیق ملتی۔ یہ وہ معیار ہے جس کو پورا کرنے سے احمدیت غالب آسکتی ہے"۔

خطبہ ثانیہ کے بعد فرمایا:۔

"سید محمود احمد صاحب سعید حیدر آبادی کی والدہ فوت ہوگئی ہیں، مرزا منور احمد صاحب مبلغ امریکہ فوت ہو گئے ہیں، ان کے علاوہ عبدالرشید صاحب میرٹھ والے کی پوتی کہتی ہیں کہ ان کے دادا فوت ہو گئے ہیں اور آپ پرانے صحابی تھے نماز جمعہ کے بعد مَیں ان سب کا جنازہ پڑھاؤں گا۔ مرزا منور احمد صاحب جو امریکہ کے مبلغ تھے میری ایک بیوی اُمِ متین کے ماموں، میر محمد اسماعیل صاحب مرحوم کے سالے اور نہایت مخلص نوجوان تھے۔ ان کے معدہ میں رسولی ہوئی اور وہ فوت ہوگئے۔ ویسے تو ہر ایک کو موت آتی ہے لیکن اس طرح کی موت گو ایک طرف قوم کے لیے فخر کا موجب ہوتی ہے لیکن دوسری طرف اس کا افسوس بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو پندرہ بیس سال میں تیار کیا جائے اور وہ جوانی کی حالت میں فوت ہو جائے۔ مرزا منور احمد صاحب کا کام نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا اور امریکہ کی جماعتوں میں انہی کی جماعت کو ان سے زیادہ محبت تھی۔ ابھی پچھلے دنوں امریکہ کی جماعتوں کی جو کانفرنس ہوئی ہے اس میں بھی یہ تسلیم کیا گیا کہ وہ علاقہ جس میں مرزا منور احمد صاحب مبلغ تھے دوسرے علاقہ کی جماعتوں سے دینی کاموں میں بڑھ گیا ہے۔ پھر ان لوگوں نے اپنی محبت کا بھی ثبوت دیا۔ جب ڈاکٹروں نے جسم میں خون داخل کرنے کا فیصلہ کیا تو ان کے علاقہ کے نومسلموں میں سے عورتوں اور مردوں کی ایک بڑی تعداد نے اپنا خون پیش کر دیا اور چونکہ ان کی ٹائپ کا خون ملتا نہیں تھا اس لیے جس نومسلم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ میرا خون مرزا منور احمد کے خون کے مشابہ ہے تو وہ بے انتہا خوش ہوتا اور فخر کرتا کہ میرا خون ان کے خون سے ملتا ہے۔ جب مرحوم کے جسم میں خون کے داخل کرنے کی زیادہ ضرورت پیش آ گئی اور ان کے خون کی ٹائپ کا اَور خون نہ ملا تو ڈاکٹروں نے کہا آپ لوگ اپنا خون دے دیں۔ ہم اپنے پاس سے ان کے ٹائپ کا خون استعمال کر لیں گے اور آپ کا خون آئندہ کے لیے رکھ لیں گے۔ اس پر ان سب نے اپنا خون پیش کر دیا۔ یہ چیز اس بات کی علامت ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے امریکہ کی جماعت اخلاص میں ترقی کر رہی ہے اور یہ مرحوم کے نیک نمونہ کا ایک زبردست ثبوت ہے"۔

(الفضل 6 /اکتوبر 1948ء)